حیاتِ جاوید

جس میں

عالی جناب جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سیّد احمد خان (غفرلہٗ)

کی زندگی کے حالات اور اُن کی سرکاری، ملکی، قومی اور مذہبی خدمات

مفصل بیان کی گئی ہیں

تالیف لطیف

مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

حیاتِ جاوید

جس میں

عالی جناب جوّاد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سیّد احمد خان (غفرلہٗ ۱۳۱۵ھ)

کی زندگی کے حالات اور اُن کی سرکاری، ملکی، قومی اور مذہبی خدمات

مفصّل بیان کی گئی ہیں

تالیف لطیف

مولانا الطاف حسین صاحب حاؔلی مرحوم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔I، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

Hayat-e-Javed
by
Altaf Husain Hali

سنہ اشاعت:

پہلا اڈیشن	:	1979
پانچواں اڈیشن	:	2004، تعداد: 1100
قیمت	:	181/-
سلسلۂ مطبوعات	:	656

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 66
طابع: فہمی کمپیوٹرس اینڈ پرنٹرس جامع مسجد، دہلی 110006

اور دوسرے مولوی علی بخش خاں سب جج گورکھپور، اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی عقاید کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی اور یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا، باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہمزبان اور متفق الکلمہ تھے، یہانتک کہ ہندوستان میں جس قدر مخالفتیں اطراف و جوانب سے ہوئیں اُن کا منبع انہیں دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں۔ اگر ان کی مخالفت کا باعث مذہبی جوش اور حمیت اسلامی ہوتی تو اُن کا کام نہایت تعریف کے لائق ہوتا مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کی تمام مخالفتوں کی طرح اُن کی مخالفت بھی محض ذاتیات پر مبنی تھی جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ ایک اور وجہ اُن کی مخالفت کی یہ بھی تھی کہ بعض جلیل القدر انگریز مدرسۃ العلوم کے سخت مخالف تھے اور اُن میں سے بعض کے ساتھ ان دونوں صاحبوں کو خاص تعلق تھا اس لیے سرسید کی مخالفت کو انھوں نے ایک ذریعہ اُن کی خوشنودی اور اپنی سرخروئی کا سمجھا تھا۔

پھر بہت سے دیسی اخباروں نے جب دیکھا کہ سرسید سے بہت سے مسلمان عموماً بدگمان اور متنفر ہوتے جاتے ہیں تو انھوں نے اپنے اخباروں کی گرم بازاری اسی میں دیکھی کہ جہاں تک ممکن ہو کوئی پرچہ ایسا نہ نکلے جس میں سرسید اور اُن کے اعوان و انصار پر اعتراضوں کی بوچھاڑ نہ ہو۔ بعض مولوی جو زمانہ کے انقلاب سے نہایت کس مپرسی حالت میں تھے اُنھوں نے سرسید کی عام مخالفت سے اس طرح فائدہ اٹھانا چاہا کہ اُن کی تصنیفات کا رد لکھنے پر کمر باندھی اور فی الواقع اس سے اُن کو بہت بڑی کامیابی ہوئی اُن کی کتابیں تمام ہندوستان میں شایع ہوگئیں اور کئی کئی بار اُن کے چھپنے کی نوبت آئی۔

الغرض سرسید کے خیالات اور اُن کی تحریرات کے برخلاف مستقل کتابیں اور رسالے لکھے جانے لگے۔ رسالہ طعام اہل کتاب کی رد میں مولوی امداد العلی نے امداد الاحتساب لکھی مولوی محمد علی نے مزیل الاوہام نام ایک رسالہ شایع کیا، تہذیب الاخلاق کے توڑ پر خاص

خاص اخبار اور رسالے جاری ہوئے، کانپور سے نور الآفاق اور نور الانوار اور مراد آباد سے لوح محفوظ نکلا، آگرہ سے تیرھویں صدی شائع ہوا، امداد الآفاق، شہاب ثاقب اور تائید الاسلام وغیرہ اضلاع شمال مغرب سے اور اشاعۃ السنہ پنجاب سے شائع ہوئے سرسید کو ملحد، لامذہب، کرسٹان، نیچری، دہریہ، کافر، دجال اور کیا کیا خطاب دیے گئے اُن کے کفر کے فتووں پر شہر شہر اور قصبہ قصبہ کے مولویوں سے مہریں اور دستخط کرائے گئے یہاں تک کہ جو لوگ سرسید کی تکفیر پر سکوت اختیار کرتے تھے اُن کی بھی تکفیر ہونے لگی، سرسید کے نام گالی اور دشنام کے بھرے ہوئے گمنام خط چاروں طرف سے آنے لگے اور ان گمنام خطوں کا سلسلہ جہاں تک کہ ہم کو معلوم ہے کم و بیش اخیر تک جاری رہا۔ سرسید نے ان نالائق خطوں میں سے ایک آدھ خط راقم کو بھی دکھایا ہے اور ایک خط جب کہ منشی سراج الدین احمد سرسید کی لائف لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے سرسید کے پاس آیا تھا اور اُن کے پاس سرسید نے اس غرض سے بھیجا تھا کہ اُس کو نہایت جلی حرفوں میں میری لائف میں درج کر دینا چنانچہ وہ خط منشی صاحب کے مسودات میں ہم کو دستیاب ہوا ہے جس میں اول سے آخر تک نہایت مغلظ گالیاں جو رذیل سے رذیل آدمی کی زبان پر بھی نہیں آسکتیں، بھری ہوئی ہیں۔ اگرچہ سرسید کی یہ خواہش تھی کہ وہ خط بجنسہٖ اُن کی لائف میں درج کیا جائے مگر ہماری غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اُس ملعون تحریر کو سرسید کی لائف میں نقل کر کے قوم کی نالائقی تمام دنیا پر ظاہر کریں۔

چونکہ سرسید کے مخالفوں کی عام تحریریں اور رسالے اور کتابیں اور میگزین اور اخبار وغیرہ کذب و افترا اور تہمت و بہتان اور معاندانہ کج بحثیوں سے بھرے ہوتے تھے اس لیے سرسید جہاں تک ہو سکتا تھا کسی کا جواب نہیں دیتے تھے اور اپنے دوستوں کو بھی جواب دینے سے منع کرتے تھے مگر اول اول جبکہ مخالفوں نے سرسید اور اُن کے بعض دوستوں کی نسبت غلط افواہیں اڑانی شروع کیں اور لوگوں نے سرسید کو مجبور کیا کہ یا تو ان باتوں کا جواب

دیجیے ورنہ سمجھا جائے گا کہ آپ کی نسبت مخالفوں کے الزامات سب صحیح ہیں اور نیز ان تحریروں سے چندے کے رک جانے کا بھی اندیشہ تھا اس لیے کبھی کبھی سرسید اور مولوی سید مہدی علی نے تہذیب الاخلاق میں ان کے جواب لکھنے پر قلم اٹھایا ہے۔ از انجملہ سرسید کا مضمون "دافع البہتان" اور سید مہدی علی کا مضمون "تکفیر مسلمان" اور "سوال و جواب" خصوصیت کے ساتھ دیکھنے کے لائق ہے۔

"دافع البہتان" سرسید کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے مولوی علی بخش خاں مرحوم سب آرڈینیٹ جج گورکھپور کی کتاب "تائید الاسلام" کے جواب میں لکھا تھا اس مضمون کو سرسید نے ذیل کے فقرہ پر ختم کیا ہے

"جو کوئی میری اس تحریر کو دیکھے گا تعجب کرے گا کہ جناب سید الحاج (یعنی مولوی علی بخش خاں) نے کیوں ایسے سخت اور محض غلط بہتان مجھ پر کیے ہیں؛ ظاہرا اس کا سبب ... یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب سید الحاج نے جب یہ رسالہ لکھا ہے قریب اسی زمانہ کے حج کو تشریف لے جانے والے تھے۔ انھوں نے خیال کیا ہوگا کہ لاؤ حج کو تو جاتے ہی ہیں جتنے گناہ کرنے ہیں سب کر لیں، حج کے بعد تو سب پاک ہی ہو جاویں گے جیسے کہ بعض آدمی جب مسہل لینا چاہتے ہیں تو خوب بد پرہیزی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسہل سے سب کھایا پیا نکل جاوے گا مگر جناب سید الحاج کو معلوم کرنا چاہیے کہ گو حج میں سب گناہ آپ کے معاف ہو گئے ہوں اور شبلی و جنید کے مرتبہ پر آپ پہنچ گئے ہوں مگر حق العباد نہ حج سے بخشے جاتے ہیں نہ کسی اشارت سے۔ آپ نے جو اتہام مجھ پر کیے ہیں، جب تک میں ہی نہ معاف کروں معاف نہیں ہو سکتے پس مقتضائے ایمانداری یہ ہے کہ آپ حج درِ احمد کا احرام باندھیے اور گناہوں کی معافی چاہیے ورنہ روزِ جزا اپنے کرتوتوں کا مزا آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

ایک اور مضمون سرسید نے انھیں مخالفوں کے ہجوم کے زمانہ میں لکھا تھا جس کا عنوان "حال خود و یاران خود" ہے۔ یہ مضمون بھی نہایت لطیف اور دلچسپ ہے جس کے چند فقرے

ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

"ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر صادق آتا ہے

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی ۔۔۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

پرانے دل بعضے تو ہم کو برا کہتے کہتے ٹھنڈے ہو گئے ہیں اور بعضے نئے دل جوش پر ہیں اور ہم کو برا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے، ہم کو وہی جوش محبت و ہمدردی اپنی قوم کے ساتھ ہے، اُن کی دین و دنیا کی بھلائی اور تہذیب و شائستگی کی دن رات فکر ہے، اُن کے غصہ سے ہم کو رنج نہیں، اُن کی سخت کلامی کا ہم کو غم نہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نہیں سمجھتے ۔۔۔ ہم کو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے دادا محمد رسول اللہ صلعم کے حالات سے بالکل تسلی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی ہے اور اپنی قوم کی بہتری و بہبودی میں کوشش کی ہے اُن کو دنیا کے ہاتھ سے اور بالتخصیص اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا؟ کوئی سولی دیا گیا، کوئی آرہ سے چیرا گیا، کوئی جلا وطن کیا گیا، پس ہم کو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا اُس کا کروڑواں حصہ بھی ابھی نہیں ہوا۔ ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا، بہت کیا تو یہ کیا کہ دو چار خط گمنام دشنام کے لکھ بھیجے، ہم نے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑا اور اُن کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔ اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے اُن کا دوست ہوا یا دو پتھر اور ایک کاٹھ کی کل اُن کے ہاتھ میں ہوئی تو اُنھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ سچ باتیں چھاپ کر یا چھپوا کر ٹھنڈا کیا ہم تو اس پر بھی راضی ہیں، مگر اُس دن کا ہم کو افسوس ہے جب کہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کریں گے اور سمجھیں گے جو سمجھیں گے۔

ہم کو ملحد اور زندیق اور لا مذہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ ہماری قوم نے خدائے واحد ذوالجلال کے سوا باپ دادا کے رسم و رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور پیغمبر آخر الزماں محمد رسول اللہ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کیے ہیں مکتب ملّا

کے سوا انسانوں کی بنی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہی اور ہم اُس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسا ہی برباد کرنے والے ہیں ہمارے جدا مجد ابراہیم اپنے باپ آزر کے بتوں کو توڑنے والے تھے۔ ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر محمد رسول اللہ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ کی اطاعت دنیا میں قائم کرنی چاہتے ہیں۔ پھر وہ لوگ ہم کو ملحد و زندیق ولامذہب نہ کہیں اور نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا سمجھیں؟ کیونکہ ہم اُن کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے۔

مگر طرفہ یہ ہی کہ ہم کو کرشان بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کر ہم عیسائی ہوگئے اور ایک گرجا میں جاکر بپتسما یعنی اصطباغ لیا۔ ہم کو اپنی قوم کے حال پر نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہوگیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے میں کچھ شرم و غیرت و حیا نہیں آتی۔ قومی ہمدردی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہی، خدا نے ہماری قوم کے دل سے کیسی مٹادی ہی۔ اُس شخص کو یہ بھی غیرت نہ آئی کہ میں ایک مسلمان شخص کی نسبت کس دل اور غیرت سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں۔ ان باتوں سے ہم کو بہ لحاظ اپنی ذات کے کچھ بھی رنج نہیں ہوتا، مگر جو رنج و غم اور افسوس ہوتا ہی وہ یہی ہوتا ہی کہ افسوس ہماری قوم پر خدا کی کیسی خفگی ہے جو ایسی حالتوں میں گرفتار ہیں۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

مولوی امداد العلی نے جو تین استفتے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھیجکر سرسید کے کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کیے تھے ان میں سے ایک استفتا اس مضمون کا تھا کہ جس شخص کے ایسے اور ایسے عقاید اور اقوال و افعال ہوں وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اور دوسرا اس مضمون کا تھا کہ جو مدرسہ ایسا شخص فلاں فلاں اغراض سے قائم کرنا چاہے اُس میں چندہ دینا اور اُس کی اعانت کرنی مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ اور تیسرا اُسی تاریخ ہندوستان کے ترجمہ کرانے کی بابت تھا جس میں مصنف نے آنحضرتؐ کی نسبت اپنے عقیدہ

کے موافق سخت اور نا ملائم الفاظ لکھے گئے ۔ یہ تمام فتوے اور استفتے مولوی امداد علی نے اپنے ایک رسالہ کے آخر میں جس کا نام "امداد الآفاق برجم اہل النفاق بجواب پرچۂ تہذیب الاخلاق" ہے چھاپ کر اُس رسالہ کو تمام ہندوستان میں مفت تقسیم کیا تھا۔ اس کی ایک جلد ہماری نظر سے بھی گذری ہے، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں کیا سُنّی کیا شیعہ، کیا مقلد کیا غیر مقلد، کیا وہابی کیا بدعتی، سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور خاصکر سُنّی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں۔ ازانجملہ دلی اور لکھنؤ کے دو سب سے بڑے عالموں کے جواب میں سے کچھ کچھ فقرے بطور نمونہ کے اس مقام پر نقل کیے جاتے ہیں۔

مولوی کریم اللہ صاحب مرحوم دہلوی لکھتے ہیں "در سنوح ایں سانحۂ ایمان زدائے و وقوعِ ایں واقعۂ ہوش ربا و ظہورِ ایں معاملۂ حیرت افزا و حدوثِ ایں حادثۂ الحاد افشا کے تعمیر کرنا اور کرانا بقول و فعل اس قائل کے ایسے مکان کا اور معاونت کرنی ایسے طلبہ کی اور اپنے مال معصوم کو غیر معصوم کرنا اور ہم پایہ ہونا اُس خوش عقیدہ کے کہ جس کا حالِ بد مآل اس سوال میں مذکور ہے، بالکل باطل، اور ایسے ناپاک کا نام مدرسہ رکھنا اور محل تعلیم و تحصیل سمجھنا آدمیت سے نکلنا ہے اور زمرۂ حیوانات میں داخل ہونا ہے اعوذ باللّٰہ من الحور بعد الکور بل باطل بلکہ صرف کرنا مال کا ایسے محل میں موجب کندہ ہونا جہنم، اور ایسے بے محل میں ساعی ہونا ہیمہ اور حطب بننا لازم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الحاصل معاونت ایسے غارتی ایمان اہلِ اسلام کی اور للّٰہ سمجھنا اپنے مال کا خیال خام ہے، دینے والے نے یوں سمجھے کہ میں اپنے ہاتھ سے جہنم میں مکان تعمیر کرتا ہوں اور اپنے اعمال صالحہ کو مٹاتا ہوں پس مرد دیندار بلکہ تمامی سُنّی و شیعی و خارجی و سائر ہنود و تمامی سکنائے اہل زمین پر واجب اور متحتم ہے کہ ایسے کلام واہی اور ایسے عقیدہ واہی پر عقیدہ اپنا نہ جاویں بلکہ ہر فرد ہر مذہب کا اس شخص کو ہادم بنائے اپنے مذہب کا بوجے اور اس امر پوچ پر دل نہاد نہ ہووے اور اپنے دل میں

اس کا انجام سوچ کر کیا جال بچھایا ہے۔"

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی، جو علمائے فرنگی محل میں نہایت نامآور تھے، مقفّیٰ عبارت میں تحریر فرماتے ہیں "وجود شیطان اور اجنہ کا منصوص قطعی ہیں اور منکر انکا شیطان ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ خود شیطان کو بھی اپنے وجود سے انکار نہیں ۔۔۔ اور وجودِ آسمان منصوص قرآنی ہے، منکر اس کا مبتلائے وسواس شیطانی ہے، حرمت منخنقہ طیور منصوص کلام رب غفور ہے، اور سلف سے تا خلف اتفاق اس پر ماثور ہے، انکار اس کا موجب گمراہی و فجور ہے ۔۔۔ مذہب نیچر خدا جانے کیا بلا ہے، ہر متشرع اور متدین کو اس کے قبول سے ابا ہے ۔۔۔ ہر مسلمان کو حق جل شانہ اتباع شریعت محمدیہ پر قائم رکھے، اور مذہب نیچر اور مشرب بدتر سے محفوظ رکھے۔ جو شخص کہ اعتقادات اس کے فاسدہ ہیں جو کہ سوال میں مسطور ہوئے ہیں وہ شخص مخرب دین ابلیس لعین کے وسوسہ سے صورت اسلام اسلام میں تخریب دین محمدی کی فکر میں ہے اور بنام تجدید مدرسہ جدیدہ افساد شریعت اس کی منظور نظر ہے۔ جو چیزیں کہ اس کے نزدیک موجب تہذیب ہیں اہل سنت کے نزدیک باعث تخریب ہیں فالحذر الحذر یا ایہا المسلمون والھرب الھرب یا ایہا المومنون"

ان تمام فتووں کا جواب اور جن عقائد و اقوال پر سرسید کی تکفیر کی گئی ہے ان کا تجز محققین اہل اسلام کی تصنیفات اور ان کے کلام سے مولوی سید مہدی علیخاں نے ان دو مضمونوں میں جو "تکفیر مسلماناں" اور "سوال و جواب" کے عنوان سے تہذیب الاخلاق میں اسی زمانہ میں چھپے تھے اور نیز دیگر مضامین میں بوجہ استیفاد یا ہے اور سرسید کی تصنیفات میں بھی ان کے جوابات متفرق طور پر مل سکتے ہیں اس لیے ان تمام استفتاؤں اور فتووں اور ان کے جوابات کا اس مقام پر نقل کرنا کچھ ضرور نہیں ہے مگر سرسید کے دو ایک لطیفے جو مخالفوں کی نسبت تحریر کی رو میں ان کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں سرسید ولایت میں تھے ان کے پاس اخبار شعلۂ طور کا نمبر میں مولوی

سید امداد العلی کا ایک مضمون سرسید کے خلاف چھپا ہوا پہنچا تھا، اُس میں تاریخ الفنسٹن کا وہی جزو جس پر آخر کار سرسید کی تکفیر کا فتویٰ لکھا گیا بعینہٖ نقل کر کے صاحب مضمون نے لکھا تھا کہ "جس شخص نے یہ ترجمہ خود لکھا ہو وہ کیسا جہنمی ہے" سرسید ولایت سے ایک خط میں مولوی مہدی علی خان کو لکھتے ہیں "دیکھو دشمنی آدمی کو ایسا اندھا کر دیتی ہے اُسی اخبار (شعلہ طور) میں تاریخ ہندوستان کے مضمون کو نقل کر کے بشد و مد لکھا ہے کہ "جس شخص نے یہ ترجمہ خود لکھا ہو وہ کیسا جہنمی ہے"، حالانکہ خود بھی اُسی عبارت کو لکھتے ہیں، پھر مجھ میں اور اُن میں کیا فرق ہے؟ صرف اتنا کہ میں نے انگریزی سے نقل کیا اور اُنھوں نے اُردو سے"

یہ نرا لطیفہ ہی نہیں ہے بلکہ اُس فتوے کے موافق جو مفتی سعد اللہ صاحب نے اسی ترجمہ کی بابت سرسید کی نسبت دیا ہے، مولوی امداد العلی بھی تکفیر کے مستحق ٹھیرتے ہیں، کیونکہ مفتی صاحب اپنے فتوے کی تائید میں شفائے قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا کہ اُس شخص کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے؟ امام مالک نے حکم دیا کہ ان الفاظ کا بولنے والا کافر ہے اُس کو قتل کر ڈالو۔ اُس نے کہا حضرت میں نے تو دوسرے شخص کا قول نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا ہم نے تو تجھی سے سنا ہے" لطیفہ پھر جب کہ سرسید ولایت سے واپس آ گئے اور تہذیب الاخلاق جاری ہو گیا اُس وقت مولوی امداد العلی نے سرسید کے پاس ایک اپنا رسالہ چھپا ہوا بھیجا جس میں اسی فتوے کی دھمکی دی گئی تھی اور لکھا تھا کہ "[1] مفتی سعد اللہ صاحب کا فتوائے تکفیر میں جناب احمد خاں کی، جو ترجمۂ تاریخ پر مرتب ہوا ہے، راقم کے پاس موجود ہے۔ معلوم نہیں کہ سید احمد خاں کے حوارین اُس فتوے پر بھی ایمان رکھتے ہیں یا نہیں" سرسید تہذیب الاخلاق میں اسی دھمکی کی نسبت لکھتے ہیں "پہلے تو ہم گھبرائے کہ یہ مفتی سعد اللہ صاحب

---

[1] مفتی سعد اللہ صاحب ہندوستان کے ایک مشہور عالم تھے جن کا قدیم وطن مراد آباد تھا جس زمانہ میں سرسید کی آمد و رفت مفتی صدرالدین خاں مرحوم دہلوی کے مکان پر بہت زیادہ تھی غالباً اُسی زمانہ میں مفتی سعد اللہ صاحب بطور طالب علموں کے دلی میں وارد تھے اور مفتی صدرالدین خاں سے پڑھتے تھے۔ جب یہ تمام علوم (باقی)

کون ہیں؟ یہ وہی ہیں جن کو ہم نے دلّی میں دیکھا ہے؛ اور یہ وہی مفتی سعد اللہ صاحب ہیں جنھوں نے لکھنؤ میں ایک نیک بخت مسلمان آل رسول ابن علی اولادِ نبی کے کفر اور قتل کا فتویٰ دے کر عشرۂ محرم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنؤ میں لانا چاہا۔ تو ہمارا دل ٹھنڈا ہو گیا اور سمجھے کہ آل رسول کے قتل و کفر پر فتوے دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے۔

اگرچہ مولوی امداد العلی کی کوشش سر سید کے کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کرنے میں حدِ غایت کو پہنچ گئی تھی، دلی، رام پور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساٹھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتووں پر مہریں اور دستخط کیے تھے، گویا ہندوستان کے تمام اہل حل و عقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا، صرف خدا کی طرف سے اُس کی تصدیق اور تصویب باقی رہ گئی تھی سو مولوی علی بخش خاں نے یہ کمی پوری کر دی۔ اُنھوں نے غالباً اسی غرض سے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور مکہ معظمہ میں جا کر مذاہب اربعہ کے مفتیوں کے سامنے دو استفتے عربی زبان میں پیش کیے جن میں سے ایک کا ترجمہ یہ ہے:

"آپ کیا فرماتے ہیں اُس شخص کے باب میں جو ابلیس کے وجود خارجی سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اُس سے مراد قوت بہیمیہ ہے جو نفس انسان میں ہے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کے واسطے حقیقی سجدہ نہ تھا بلکہ اُس سے قویٰ کا مطیع ہونا مراد ہے اور ابلیس کا استکبار سے عدم اطاعت قوت بہیمیہ مراد ہے جو آدمی کی اغوا کرنے والی ہے نہ کہ حقیقی سجدہ سے انکار کرنا،

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۳) عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو چکے تو لکھنؤ میں جب کہ غالباً امجد علی شاہ زندہ تھے اُن کو مذہب اہل سنت کے بقا کا معزز عہدہ مل گیا تھا اور اُس وقت سے واجد علی شاہ کے اخیر زمانہ تک یہ اسی عہدہ پر مامور رہے۔ اسی زمانہ میں وہاں ایک بہت بڑا واقعہ مولوی سید امیر علی صاحب کے قتل کا گذرا تھا۔ ہنومان گڑھی میں ہندوؤں نے ایک مسجد کو ڈھا کر مندر بنانا چاہا تھا اور اہل دربار کو کچھ دے دلا کر راضی کر لیا تھا سید امیر علی کچھ جمعیت لے کر وہاں ہندوؤں سے مقابلہ کرنے کو پہنچے۔ چونکہ سید امیر علی سنی المذہب تھے اس لیے نائب نے مفتی سعد اللہ سے اس بات کا فتویٰ لکھوا لیا کہ فوج بھیج کر سید امیر علی کو اس ارادہ سے روکا جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو اُن کو قتل اور اُن کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا جائے چنانچہ سید امیر علی شہید کیے گئے۔

اور کہتا ہے کہ افلاک اجسام نہیں ہیں بلکہ اُن سے فضائے بسیط یا سبع سیارات مراد ہیں، اور کہتا ہے کہ لونڈی غلام بنانا حرام ہوگیا ہے آیۂ اِمّا منّاً بعد و امّا فداءً سے اور یہ آیت نازل ہوئی ہے فتح مکہ میں اور یہ سب سے اخیر آیت ہے جو قیدیوں کے باب میں نازل ہوئی ہے، اور کہتا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی اور جسم کے ساتھ آنحضرتؐ کے جانے سے کرتا ہے اور انکار کرتا ہے شق صدرِ آنحضرتؐ کا، اور کہتا ہے کہ گلا گھونٹے ہوئے پرند حلال ہیں، پس ایسے شخص کے باب میں کیا حکم ہے؟"

اس استفتے کے جواب میں مذاہب اربعہ کے چاروں مفتیوں[1] نے جو مکۂ معظمہ میں رہتے ہیں علیحدہ علیحدہ عبارت لکھی ہے اور ان چاروں صاحبوں کے جوابات کا ماحصل یہ ہے کہ "یہ شخص ضال اور مضل ہے بلکہ وہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمانوں کے اغوا کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنے سے بھی بڑھ کر ہے خدا اس کو سمجھے۔ واجب ہے اولوالامر پر اس شخص سے انتقام لینا۔ اس کو تنبیہ کرنی چاہیے اور اگر جاہل ہو تو سمجھانا چاہیے پھر اگر باز آوے تو بہتر ہے ورنہ ضرب اور حبس سے اُس کی تادیب کرنی چاہیے اگر وُلاۃ اسلام میں کوئی صاحب غیرت ہو۔ نہیں تو خدا اُس کو سمجھے گا اور اُس کی ضلالتوں اور رسوائیوں کی سزا دے گا۔" اس کے بعد سید محمد کتبی حنفی مدرس حرم شریف اور مولانا رحمت اللہ مرحوم ہندی مہاجر مکہ معظمہ نے چاروں مفتیوں کے جوابوں کی تصویب کی ہے۔

پھر مولانا علی بخش خاں مدینہ منورہ گئے ہیں اور اسی قسم کا استفتا شیخ محمد امین بالی مفتی احناف کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اُن کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ "جو کچھ دُرِ مختار اور اُس کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی کسی جانب مائل ہوگیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا یا اِباحی ہے کیونکہ منخنقہ کا کھانا

---

[1] یعنی شیخ عبدالرحمن بن شیخ عبداللہ سراج مفتی حنفیہ اور احمد بن زین دحلان مفتی شافعیہ اور محمد بن عبداللہ بن حمید مفتی حنابلہ اور حسین بن ابراہیم مفتی مالکیہ ۱۲

مباح بتلاتا ہے۔ اور اہل مذہب (حنفی) کے بیانات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی۔ پس اگر اس شخص نے گرفتاری سے پہلے توبہ کر لی اور ان گمراہیوں سے رجعت کی اور توبہ کی علامتیں اُس سے ظاہر ہو گئیں تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اُس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لیے اور وُلاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں۔"

دوسرے استفتے کا ملخص یہ ہے کہ "اُس مدرسہ کے جواب میں آپ کیا فرماتے ہیں جس کے بانی کے ایسے اور ایسے عقاید اور اقوال ہوں اور جو یہ کہتا ہو کہ اہل اسلام کے اخلاق مہذب نہ ہوں گے جب تک کہ وہ ستر ضروریہ میں یوروپ کے فلاسفۂ جدید کی پیروی نہ کریں گے اور یہ کہ تمام علوم دینیہ قدیمہ جو مسلمانوں نے مدوّن کیے ہیں بے فائدہ ہیں اس لیے ضرور ہے کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں علوم جدیدہ کی تعلیم ہو اور اہل یورپ کے طریقہ پر ستر ضروریہ سکھائے جائیں اور کتب دینیہ میں سے ایسے مضامین انتخاب کیے جائیں جو فلسفۂ جدیدہ کے خلاف نہ ہوں۔ اور جب لوگوں نے اُس پر اعتراض کیا کہ یہ مدرسہ تو الحاد و زندقہ کا مدرسہ ہوگا اور اُس کی اعانت سے انکار کیا تو اُس نے یہ جواب دیا کہ میں اپنے معتقدات سے تو رجوع نہ کروں گا اور اپنے ارادہ سے بھی باز نہ آؤں گا مگر مدرسہ کا جو انتظام ہوگا وہ مجلس شوریٰ کی رائے کے موافق ہوگا۔ حالانکہ اس مجلس کے اکثر رکن اُسی کے گروہ کے ہیں اور اُن کی رائیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور پچھلی پہلی کو منسوخ کرتی رہتی ہیں۔ پس ایسی حالت میں آیا مسلمانوں کو اُس کی اعانت کرنی جائز ہے یا نہیں؛ بینوا توجروا۔"

اس کا جواب بھی حرمین شریفین کے مفتیوں نے الگ الگ لکھا ہے جس کا محصل یہ ہے کہ "یہ مدرسہ جس کو خدا برباد اور اُس کے بانی کو ہلاک کرے اس کی اعانت جائز نہیں ہے اور اگر مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کو منہدم کرنا اور اُس کے بانی سے اور اُس کے مددگاروں سے سخت انتقام لینا واجب ہے اور ہر شخص پر جس میں حمیت اسلامی ہو واجب ہے اس مدرسہ کی مخالفت جہاں تک کہ قدرت ہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل سے اُس کا مخالف ہو۔"

حسن اتفاق سے جس زمانہ میں یہ فتویٰ مولوی علی بخش خاں حرمین شریفین میں وہاں کے علما اور مفتیوں سے لکھوا رہے تھے حافظ محمد حسین نام ہندوستان کے ایک بزرگ وہاں موجود تھے جو حج اور زیارت کے ارادہ سے وہاں گئے تھے۔ اُدھر تو مولوی علی بخش خاں نے عرب سے آکر مذکورۂ بالا فتووں کی ہندوستان میں منادی کرنی شروع کی اور اُدھر اُس نیک دل مسلمان نے باوجودیکہ سرسید سے مطلق شناسائی نہ تھی ایک طول طویل مضمون سرسید کی تکفیر کی تردید میں انھیں دنوں میں اخبار کوہ نور لاہور میں چھپوایا جو تہذیب الاخلاق میں نقل کیا گیا تھا اور جس کے چند فقرے ہم اس مقام پر نقل کرنے مناسب سمجھتے ہیں۔

وہ علمائے حرمین شریفین کے فتووں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فتوے لکھنے لکھانے کا جو حال یہاں ہے (یعنی ہندوستان میں) وہی وہاں (یعنی حرمین شریفین میں) ہے، جس مضمون سے چاہا فتوے لکھ لیا جس سے دستخط کرانے ہوئے جو چاہا سمجھا کر دستخط کرا لیے۔ جیسے عالم یہاں ہیں ویسے ہی وہاں ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ ان کی زبان ہندی ہے اُن کی عربی . . . وہاں جو ہندوستانی اہل سنت وجماعت کے عالم ہیں وہ دو گروہ ہیں ایک بدعتی، دوسرے وہابی، جو بدعتی ہیں وہ وہابیوں کو کافر کہتے ہیں جو وہابی ہیں وہ بدعتیوں کو بُرا کہتے ہیں۔ جب بدعتیوں کا وار چل جاتا ہے وہابیوں کو نکلوا دیتے ہیں، جب وہابی غالب ہو جاتے ہیں بدعتی چپ ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں بدعتیوں کا وار چل رہا ہے . . . سید احمد خاں صاحب حرمین شریفین میں بھی مشہور ہیں، اکثر ہندوستانی اور بعض عرب اُن کے نام اور اُن کے خلاف واقع حال سے واقف ہیں۔ وہاں مشہور ہے کہ سید احمد خاں لندن گئے تھے وہ انگریزوں سے اقرار کر کے آئے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو جہاں تک ہو سکے گا کرسٹان کریں گے اور دین اسلام سے پھیریں گے۔ اب وہ اپنے اقرار کے موافق مسلمانوں کو بہکا کر دین اسلام سے پھیرتے ہیں اور نئے نئے عقاید سکھلاتے ہیں۔ یہ جو فتوے میں لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بھی اُن کا فتنہ بڑھ کر ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ ظاہر میں

مسلمان رہ کر اور دین اسلام کے نام سے وعظ و نصیحت کر کے عیسائی کرتے ہیں جس کسی نے سید احمد خاں صاحب کا یہ حال سنا . . . وہ اُن سے نفرت کرنے لگا اور بُرا جاننے لگا...
جب سے واقعی حال کہا گیا کہ سید احمد خاں ایسے آدمی نہیں ہیں، پکّے مسلمان ہیں، ظاہر اور باطن میں یکساں ہیں، مسلمانوں کو مسلمان رکھا چاہتے ہیں، قرآن کے معنی جو ہیں وہی کہتے ہیں، حدیث کو معتبر جانتے ہیں، جو حدیث نہیں ہے اُس کو بے اعتبار سمجھتے ہیں، اہل کتاب کے ذبیحہ کو قرآن مجید کے موافق حلال کہتے ہیں، سور اور شراب کو حرام سمجھتے ہیں، انسانوں سے انسانیت کی وجہ سے قرآن مجید کے مطابق دوستی رکھنی اور ہر ایک کی بھلائی چاہنی موجب ثواب بتاتے ہیں، شیطان اور آسمان کے منکر نہیں مقر ہیں، صورت اور طرح میں جو بعض عالموں نے بیان کی ہے اُن کے ہمزبان ہیں اکثروں کے ساتھی نہیں، امام کو امام جانتے ہیں پیغمبر نہیں مانتے، مفسر کو مفسر مانتے ہیں الہامی نہیں جانتے، مجتہد کو مجتہد کہتے ہیں خاتم المجتہدین نہیں سمجھتے ہر وقت اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کی دین و دنیا درست ہو، ہزاروں روپیے اپنے خرچ کرتے ہیں، دل و جان سے ہر وقت اسی کے خواستگار ہیں، اپنا جان و مال مسلمانوں کے واسطے وقف کر رکھا ہے، چاہتے ہیں کہ مسلمان دنیا میں مالدار ہو جائیں اور دین میں ایماندار۔ یہ سن کر وہ سید احمد خاں کی تعریف کرنے لگا، ہندوستانی نے کہا بہت اچھے آدمی ہیں اور عرب نے کہا طیب .. - - جناب مولانا علی بخش خاں صاحب بہادر جب تک مکۂ معظمہ میں رہے ان کو یہی شغل رہا، جب مدینہ منورہ میں گئے وہاں بھی انہیں فتووں کی فکر رہتی، حالانکہ مدت قیام مدینہ منورہ کی تھوڑی تھی یعنی آٹھ سات روز کہ ضروری کام اور زیارات طیبات بھی مشکل سے انجام ہوتے ہیں مولانا صاحب اسی انتظام میں رہے، سوالات کا مسودہ مسجد نبوی میں روضۂ مطہرہ کے روبرو ہوا، مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اکثر ہندوستانی اور عرب سے مولانا صاحب یہی ذکر فرماتے رہتے اور اسی کی بحث ہوتی رہتی مولانا صاحب شہاب ثاقب اور ایک اور رسالہ کی کئی جلدیں لے گئے تھے۔ وہ بھی وہاں

تقسیم فرمائیں ۔سید احمد خاں صاحب کا کفر اور اسلام اور اُن کے کفر کے فتووں کا مدار اُن کا حال بیان کرنے والوں پر منحصر ہے، نہ مکہ والے ان کو جانیں، نہ مدینے والے اُن سے واقف۔ اگر کوئی چاہے تو سو فتوے اُن کے اسلام کے حرمین شریفین سے واقعی حال بیان کرکے لا سکتا ہے ... سید احمد خاں صاحب کا اسلام مسلمانوں کے دلوں پر نسلاً بعد نسلٍ کندہ ہوتا چلا جائے گا اور تھوڑے عرصہ بعد سید احمد خاں صاحب کے نام کے ساتھ مجتہد و مجدد کا لفظ لکھنا شروع ہو جائے گا ۔اُن کے اسلام کے ثبوت میں کاغذ اور سیاہی کی مدد ضرور نہیں ۔جو بات کفر کی ہے وہ کفر کی ہے اور جو اسلام کی ہے وہ اسلام کی، سید احمد خاں صاحب صرف اس سبب سے کہ حرمین شریفین کے عالموں نے اُن کے کفر کے فتوے دیدیے ۔کافر نہیں ہو سکتے جیسے یہاں کے عالم ہیں ویسے ہی وہاں کے، صرف زبان کا فرق ہے، اُنھیں کتابوں سے وہاں والے فتوے لکھتے ہیں انھیں سے یہاں والے۔"

اسی مضمون میں وہ ایک جگہ ہندوستانی مولویوں کا، جو مکہ معظمہ میں رہتے ہیں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں" دو تین مولانا صاحبوں کے سامنے میں نے سید احمد خاں صاحب کی تعریف کی اور واقعی حال اُن کا بیان کیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ فلاں مولانا صاحب یا حکیم صاحب یا منشی صاحب ابھی ہندوستان سے آئے ہیں وہ اس کے خلاف کہتے ہیں، تم ہرگز سید احمد خاں کا کہنا نہ مانو، ورنہ کافر ہو جاؤ گے میں نے کہا بہت اچھا سید احمد خاں صاحب کا کہنا نہ مانوں گا، اُن کو بُرا جانوں گا مگر پھر کس کا کہا مانوں؟ آپ کا ؟ سو آپ کو بھی تو فلاں مولانا کافر کہتے ہیں، اس کا کیا علاج ؟ غرض ہندوستانی عالموں اور جاہلوں کا وہاں بھی یہی خراب حال اور لڑائی ہے ،،

اگرچہ حافظ محمد حسین صاحب نے حرمین شریفین کے فتووں کی حقیقت اپنے مضمون میں اچھی طرح ظاہر کر دی ہے پھر بھی ممکن ہے کہ ہندوستان کے ساتھ عالموں کا سرسید کی تکفیر پر اتفاق کرنا اور حرمین شریفین کے مفتیوں اور دیگر عالموں کا ان کے ساتھ ہمزبان ہونا بعض ناواقف

لوگوں کو سرسید کے مسلمان ہونے کی نسبت شبہ میں ڈالے اور ممکن ہے کہ بعض ناظرین کتاب کے دل میں یہ خیال گذرے کہ تیس برس بعد ان دبے دبائے فتووں کا سرسید کی لائف میں ذکر کرنا گویا اُن کی تکفیر میں از سرِ نو جان ڈالنی ہے ۔ مگر ہمارے نزدیک سرسید کی لائف ناتمام رہتی اگر اُن فتووں کا ذکر اُس میں نہ کیا جاتا در حقیقت یہ کفر و ارتداد کے فتوے نہیں ہیں بلکہ سرسید کے اعلیٰ درجہ کے مسلمان ہونے کے وثیقے ہیں۔ یہ تمغے ہمیشہ انھیں لوگوں کو نصیب ہوئے ہیں جو دنیا کی مخالفت کے خوف سے کبھی حق بات کہنے سے نہیں چوکے۔ امام غزالی اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں کہ ”جس شخص پر لوگ حسد نہ کریں اس کو حقیر جان! اور جس کو کافر و گمراہ نہ کہیں اُس کو ناچیز سمجھ“ ابوالائمہ علی مرتضیٰؑ نے جو ایمان کی تعریف بتائی ہے، سچ یہ ہے کہ ہم نے اپنے زمانہ میں اُس کا صحیح مصداق سید احمد خاں کے سوا کسی کو نہیں دیکھا، وہ فرماتے ہیں الایمان ان توثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک (یعنی ایمان کے یہ معنی ہیں کہ جب سچ کہنا مضر ہو اور جھوٹ کہنا مفید اُس وقت سچ کو جھوٹ سے مقدم سمجھا جائے) سرسید کو اپنی سچائی کی بدولت صرف مسلمانوں ہی کی مخالفت کا نشانہ بننا نہیں پڑا بلکہ اکثر موقعوں پر محض ملک اور قوم کی خیرخواہی کی بدولت جیسا کہ اُن کی بائیوگرافی جابجا شہادت دیتی ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر افسروں اور حاکموں کی خفگی اور حد سے زیادہ ناراضی برداشت کرنی اور بعض اوقات اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پڑا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایمان کی سچائی کا معیار یہ نہیں بتایا کہ کسی مفتی نے اُس کے کفر کا فتوے نہ دیا ہو بلکہ اُس کا صحیح معیار آزمائش میں پورا اترنے کو قرار دیا ہے اور فرمایا ہے ”اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (یعنی کیا لوگ یہ سمجھے ہیں کہ صرف اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کی آزمائش نہ کی جائے گی) اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس معیار کے موافق سید احمد خاں کا ایمان کامل ٹھیرتا ہے یا اُن لوگوں کا جنھوں نے اُن کو کافر اور واجب القتل ٹھیرایا؟ غدر کے بعد جب کہ مسلمانوں کی حمایت کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اور دین اسلام امن اور انتظام کا دشمن اور فتنہ و فساد کا بانی خیال کیا جاتا تھا، اُس سے زیادہ حمیت اسلامی اور جوش ایمانی

کہ امتحان کا وقت اور کونسا ہو سکتا ہے؟ اُس وقت اسی کافر واجب القتل کے سوا اسلام اور اہل اسلام کی حمایت کے لیے نہ اُن مستفتیوں میں سے کوئی اٹھا جنھوں نے اُس کے کافر ہونے کے فتوے لکھوائے اور نہ اُن مفتیوں میں سے جنھوں نے اُس کے کفر و ارتداد کے فتووں پر آنکھیں بند کرکے مہریں اور دستخط کیے۔

"در ہند چو او یکے و آں ہم کافر — پس در ہمہ ہند یک مسلماں نبود"

باوجود ان تمام مخالفتوں کے سرسید نے اپنے سخت ترین مخالفوں سے جب کہ وہ کفر اور واجب القتل ہونے کے فتوے تمام ملک میں شایع کر چکے تھے، التجا کی کہ مدرستہ العلوم کی مذہبی تعلیم جس میں میری مداخلت سے آپ کو اندیشہ ہے اُس کا انتظام اور اہتمام آپ اپنے ہاتھ میں لیجیے، میں اُس میں کسی طرح کی شرکت نہیں چاہتا۔ اس پر مولوی امداد العلی نے اُن کو لکھا کہ "تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں" مگر مولوی علی بخش خاں نے اس شرط پر منظور کیا کہ آپ کو اور آپ کی کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کو امور مذہبی میں مداخلت نہ ہو بلکہ مذہبی تعلیم کے واسطے ایک اور کمیٹی مقرر کی جائے جس کے وہی لوگ ممبر ہوں جن پر عام اہل اسلام کو اطمینان ہو اور جو لوگ مذہبی تعلیم کے واسطے چندہ دیں اُس روپیہ سے سود حاصل نہ کیا جائے اور اُس کی آمدنی جائز صرف مذہبی تعلیم میں خرچ کی جائے۔ سرسید نے اُن کی تمام شرطیں منظور کر لیں اور اُن کو قواعد مدرستہ العلوم میں داخل کر دیا اور مولوی صاحب کو لکھا کہ میں عنقریب یہ تمام خط و کتابت ممبران کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کے پاس بھیج کر منظوری حاصل کر لیتا ہوں۔ اگرچہ بعض ممبروں نے اس بات سے سخت اختلاف کیا کہ کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کو تعلیم مذہبی سے کچھ تعلق نہ رہے مگر کثرت رائے سے وہی تجویز جو مولوی علی بخش خاں چاہتے تھے منظور ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ اہل سنت کے مشہور دیندار عالموں میں سے بیس بزرگوں کی خدمت میں درخواست کی جائے کہ وہ تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کی کمیٹی کے ممبر انتخاب کریں۔ البتہ اتنا گناہ ہو گیا کہ مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا انتخاب کرنے والوں میں بشمول مولوی علی بخش خاں علمائے اہل سنت کے بہت